ح

(غلام گردش)

ہم مناسب وقت پر درست فیصلے کیوں نہیں کر سکتے!

شائد ڈی این اے(D.N.A) میں کوئی سقم ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہماری جینز ہی نرالی، انوکھی اور عجیب ہوں۔ جو لفظ ویسے Genes کے متعلق ذہن میں ہے، لکھنے کی جرات نہیں کرسکتا۔ بہرحال اجتماعی اور انفرادی سطح پر ہم پوری دنیا سے مختلف ہیں۔ منفرد کا لفظ بھی اس جگہ استعمال نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ پوری قوم میں سے بہت ہی کم تعداد میں چند لوگ بہتر کام کر رہے ہیں۔ مجموعی طور پر ہم، نااہل ترین لوگوں کا وہ ہجوم ہیں جو بروقت اور درست فیصلہ کرنے کی قوت سے مکمل عاری ہیں۔ حیرت انگیز حد تک ادنیٰ رویوں کے مالک ہیں۔ یہ سب کچھ کسی ایک شعبہ میں مختص نہیں بلکہ زندگی کے ہر پہلو میں ہمارا رویہ عجیب سا ہے۔ بائیس کروڑ لوگوں کا ایک ریوڑ ہے جس سے پوری دنیا کنی کتراتی ہے۔

بڑی باتوں کی طرف بعد میں آتا ہوں۔ آپ کسی بھی شہر، قصبہ یا گاؤں میں کھانے پینے کی کوئی چیز لینے جایئے۔ دکان، سٹور یا سُپر سٹور کی اکثریت مالکان حد درجہ مذہبی نظر آئینگے۔ نورانی چہرے اور ظاہری وضع قطع کے اعتبار سے لگے گا کہ جھوٹ، فریب تو انکے پاس سے گزرا تک نہیں ہوگا۔ مگر ننانوے فیصد چیزوں میں ملاوٹ اور وزن میں کمی ہوگی۔ کیا یہ بات آپکو افسردہ نہیں کرتی کہ ہم اپنے بچوں کو دودھ تک خالص مہیا نہیں کرسکتے۔ دکان کے باہر دینی کلمات بھی درج ہونگے۔ مگر ان مقدس فقروں کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جس ملک میں دوائیاں تک خالص نہیں ہیں دل میں ڈالے جانے والے والو اور پیس میکر جعلی ہوں، وہ کسی بھی طریقہ سے کامیاب قرار نہیں دیا جاسکتا۔ دعوی سے عرض کرتا ہوں کہ اگر لندن، نیویارک یا مغرب میں کوئی تجارتی کمپنی کسی قسم کی ملاوٹ یا تول میں کمی کا کام کرے، تو حکومت اسے منٹوں میں نشانِ عبرت بنا دیگی۔ مالک کی سات پشتیں کاروبار کرنے کے قابل نہیں رہینگی۔ معاشرے میں کسی کو بھی منہ نہیں دکھا پائینگے۔ مگر ہمارے معاشرے میں حکومتی اور غیر حکومتی روایات انتہائی ادنیٰ درجہ کی ہیں۔ برسوں گزر جاتے ہیں مگر اوچھے پن کے علاوہ کوئی عمدہ مثال سامنے نہیں آتی۔ اب تو قومی گراوٹ کا ذکر کرتے کرتے بھی تھک چکا ہوں۔ مگر مجبوری ہے کہ لکھنا بند نہیں کرسکتا۔ شائد اسکے علاوہ کوئی کام آتا ہی نہیں۔

پچھلے تیس سال پر نظر ڈالیے۔ پرویز مشرف کے ناپسندیدہ مارشل لاء سے لیکر نا کام جمہوریت کے مختلف ادوار کا جائزہ لیجئے۔ ہم کسی وقت بھی کوئی صائب کام نہیں کر پائے۔ چلیے، سب سے پہلے دہشت گردی کے المیہ کو پرکھیے۔ کیا دہشت گرد ہمارے بڑے بڑے شہروں، مذہبی جماعتوں اور تشدد پسند گروہوں کے سائے تلے نہیں پلتے رہے۔ کیا یہ دہشت گرد صرف ایک دو دن میں پیدا ہوئے اور توانا ہوگئے۔ ہرگز نہیں۔ قومی سطح پر ہم نے ان مشکل ترین لوگوں کو طاقتور ہونے کا بھرپور موقعہ دیا۔ انکو پاکستان کے ہر شہر، قصبے اور گاؤں میں بلا روک ٹوک شاداب ہونے کی اجازت دی گئی۔ ہماری غفلت کی بدولت انہوں نے مساجد سے لیکر ذاتی رہاشگاہوں کو اسلحہ خانوں میں تبدیل کر دیا۔ ایک سینئر فوجی افسر نے بتایا کہ میران شاہ میں ایک بازار موجود تھا۔ جس میں خودکش جیکٹیں، ہر طرح کا اسلحہ، حتیٰ کہ خودکش

بمبار تک مل جاتے تھے۔ کے پی کے چند قصبوں کے چوکوں میں نجی جیلوں میں مقید قیدیوں کو باہر نکال کر سرِ عام ذبح کیا جاتا تھا۔ انسانوں کو ذبح کرنے کا سامان بھی بازار سے رعایتی نرخوں پر دستیاب تھا۔ دہشت گرد، کراچی، لاہور بلکہ پورے ملک سے امیر آدمیوں کے بچے اغواء کر کے لیجاتے تھے۔ سینکڑوں میل طویل راستوں پر انہیں کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ پھر تاوان وصول کیا جاتا تھا۔ کیا ظلم اور جبر کا یہ دھندا، ایک آدھ سال میں برپا ہوا تھا۔ نہیں صاحب، نہیں۔ اسے باقاعدہ پنپنے کی بھرپور اجازت دی گئی۔ جب یہ کانٹوں بھرا جنگل ہمارے لیے سوحان روح بن گیا، تو پھر ہوش آئی۔ ہمیں معلوم ہوا کہ ملک میں دہشت گرد قابض ہوتے جا رہے ہیں۔ اَن گنت شہادتوں کے بعد ہم خواب غفلت سے جاگے اور پھر دہشت گردوں کے خلاف منظّم جنگ شروع ہوئی جو کافی حد تک جیت چکے ہیں۔ مگر کیا یہ سوال درست نہیں کہ اگر ہم یہی فیصلہ بیس برس پہلے کر لیتے تو آج نوے ہزار پاکستانی شہری اور فوجی شہید نہ ہوتے۔ اگر بروقت فیصلہ ہو جاتا تو اے۔ پی۔ ایس کے معصوم بچے اور اساتذہ ناحق اپنی جان سے نہ جاتے۔ دہشت گردوں کے خلاف جنگ کا فیصلہ اتنی تاخیر سے کیا کہ ہمارے ملک کا ہر شعبہ برباد ہو گیا۔ معیشت کو اربوں ڈالر کا نقصان ہوا اور دنیا کے سامنے ایک کمزور فریق کے طور پر سامنے آئے۔ کیا کوئی اس تاخیر کے متعلق لب کشائی کرتا ہے۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ سب خاموش ہیں۔

سیاسی اور غیر سیاسی حکومتوں کی مالی بدعنوانی کی طرف آیئے۔ ہر باخبر شخص اور ادارے کو سو فیصد پتہ تھا کہ کون سا شخص کس سطح کی کرپشن کر رہا ہے۔ ہماری آنکھوں کے سامنے سائیکلوں کو پنکچر لگانے والے کھرب پتی ہو گئے۔ سینموں میں ٹکٹیں بیچنے والے ملک کی قسمت کے مالک بن گئے۔ انکی ہمشیرگان اور اہل خانہ بیٹھے بیٹھے اس قدر دولت مند ہو گئے کہ درست قیافہ تک نہیں لگایا جا سکتا۔ لوہا بیچتے بیچتے، لوگ دنیا کے پہلے دس بارہ امیر ترین خاندانوں میں شامل ہو گئے۔ انکے حواری جو کہ ہر شعبہ میں موجود ہیں، دولت کے سنہرے دریا میں غوطے لگا لگا کر دیوانے ہو گئے۔ انکے ساتھ منسلک سرکاری عمال اس قدر دولت مند ہو گئے کہ درست اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ پورے ملک کو دولت کمانے کی ایک مشین بنا دیا گیا۔ اہم ترین عہدوں پر لوگ، ڈھٹائی اور بے حیائی سے کمیشن کا سرِ عام تقاضا کرنے لگے۔ مگر اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ گزشتہ تیس برس میں، جب یہ لوٹ مار ہو رہی تھی، اس وقت ہمارے قومی اداروں نے اپنی گرفت اتنی کمزور کیوں رکھی۔ ہماری خفیہ ایجنسیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ دنیا میں بہترین ہیں۔ انکو ہر معاملہ کا علم ہے۔ مگر سوال مکمل طور پر برقرار ہے۔ جب یہ ظالم لوگ، اقتصادی راہ زنی میں ہمہ وقت مصروف تھے تو اس وقت انکی پکڑ کیوں نہیں کی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ریکارڈ منی لانڈرنگ ہوئی۔ لانچوں تک میں کالا دھن ملک سے دوبئی لیجایا گیا۔ ایک سابق وزیر داخلہ ذاتی طور پر منی لانڈرنگ کا ایک منظّم گروہ چلا رہے تھے۔ جس میں طوائفیں، کال گرلز، دو نمبر افراد، سب شامل تھے۔ بیس پچیس ارب ڈالر کو غیر قانونی طریقے سے باہر لیجایا گیا۔ مگر کیا یہ سوال نہیں اُٹھتا کہ جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا اس وقت ان کالے دھندوں کو کیوں نہیں روکا گیا۔ ریاستی ادارے، ایجنسیاں اور اہم عہدوں پر متعین محافظین اس وقت کیوں گونگے بنے رہے۔ وہ لانچیں جن پر بوریوں میں ڈالر دوبئی جا رہے تھے، انہیں بروقت کیوں نہیں پکڑا گیا۔ وہ گروہ جو آبرو یافتہ خواتین کے ذریعے ہر فلائٹ پر لاکھوں ڈالر بھجواتا ہے، وہ سزا کے بغیر کیسے رہ گیا۔ صاحب، یہ سب کچھ ہماری آنکھ کے سامنے اور ناک کے نیچے ہوتا رہا، مگر ہم بروقت فیصلہ نہ کر سکے۔ ہمارے کسی ادارے میں اتنی سکت نہیں تھی کہ اقتصادی دہشت گردوں کا ہاتھ اس وقت روک سکے

جب وہ جرم کاارتکاب کررہے تھے۔اب کہاجارہاہے کہ بیس پچیس بلین ڈالرکوواپس لاناہے۔کوشش ہورہی ہے کہ یہ رقم واپس آجائے۔مگرکیاہمیں پوچھنے کاحق نہیں ہے کہ اتنی بڑی رقم کوملک سے باہرجانے کی اجازت کیسے دی گئی۔

آبی ذخائر کے متعلق بات کیجئے۔تقریباًچھ سات ماہ سے ہرطرف گریہ ہورہاہے کہ ملک میں پانی کی شدیدقلت ہورہی ہے۔نئے ڈیم نہ تعمیرکیے گئے توپوراملک بنجرہوجائیگا۔اناج نہیں اُگ پائیگا۔ملک میں قحط آجائیگا۔پانی پرلڑائی جھگڑے اورجنگیں شروع ہوجائینگی۔مگرسوچیے،کیاپانی کی قلت ایک دودن یاایک دوسالوں میں ظہورپذیرہوئی ہے۔جواب سادہ ساہے کہ نہیں۔گزشتہ چالیس پچاس برس میں ہماری ہرحکومت اس اہم ترین کام سے غافل رہی ہے۔ایوب خان کے بعدکون ساصدریاوزیراعظم ہےجس نے ڈیم بنانے کاعزم کیاہو۔بناناتودورکی بات،اعلان ہی کردیاہوکہ اگلے دس برسوں میں چارپانچ نئے آبی ذخائربنائینگے۔ایک کالاباغ ڈیم کااعلان ہوا۔اس پراتناعلاقائی فسادشروع ہوگیاکہ کوئی بھی حکومت،نامقبول ہونے کے خوف سے اس ڈیم پرکام نہ کرسکی۔ضیاءالحق کوحکومت کرنے کیلیئے ایک دہائی سےاوپرکاوقت ملا۔اسکی تمام کوششیں صرف ایک نکتہ پرمرکوزتھیں کہ پیپلزپارٹی کوکیسےختم کرناہے۔مذہب کوسیاسی ہتھیارکےطورپرکیسےاستعمال کرناہے۔کیاامریکی ڈالروں کی بارش کے دوران اس شخص یااسکی ٹیم کوایک باربھی خیال آیاکہ پانی کے نئے ڈیم بنانے چاہیے۔ورنہ ملک میں عام آدمی کیلیئے مشکلات بڑھ جائینگی۔جمہوری حکومتوں نے بھی ایک دوسرےکورسواکرنے کے علاوہ کوئی مثبت کام نہ کیا۔ڈیم کی طرف توانکی توجہ جاہی نہیں سکی۔ایک دوسرے کوگالیاں دیتے ہوئے دہائیاں ضائع کردیں۔لوٹ مارکرنے کے علاوہ انکانہ کوئی ایجنڈاتھااورنہ ہی آبی ذخائرجیسے اہم منصوبوں کی تکمیل کیلیئے انکے پاس وقت تھا۔حدتویہ ہے کہ جنرل پرویزمشرف نے اپنے ابتدائی دورمیں،جس میں وہ ہردرجہ طاقتورتھے،کسی قسم کے نئے آبی ذخائربنانے پرتوجہ نہیں دی۔چارپانچ دہائیوں کی مکمل خاموشی کے بعدایک دم ہمیں خیال آیاکہ اوہو،ہمارے پاس توپانی ختم ہورہاہے۔نئے ڈیم بنانے کی ضرورت ہے۔یہ توزندگی اورموت کاسوال ہے۔مگرہے کوئی جوپوچھ سکے،کہ مقتدرحلقوں نے گزشتہ پانچ دہائیوں میں اس اہم ترین نکتہ پرعملی کام کیوں نہیں کیا۔کیوں اس موضوع پروہ توجہ نہیں دی گئی،جسکایہ حقدارہے۔یقین ہے کہ کسی کے پاس بھی کوئی جواب نہیں ہے۔ہم اجتماعی اورانفرادی سطح پرکافی حدتک نااہل لوگ ہیں۔بحث مباحثے اورلایعنی باتوں میں مصروف معاشرہ کبھی بھی ترقی نہیں کرسکتا۔تاریخ اورحال کاتناظرتویہی بتاتاہے کہ ہم کوئی درست فیصلہ،بروقت کرنے کی اہلیت سے عاری ہیں!

راؤمنظرحیات